مروجہ طرق تدریس میں سیرت طیبہ ﷺ کی اطلاقی پہلوؤں کا تحقیقی جائزہ

جنید اکبر*

محمد اکرام اللہ**

تمہید:

درس وتدریس کی کامیابی اور بارآور ہونے کے لیے استاد کی کسی خاص فن میں مہارت اور اس کے متعلق وافر علمی ذخیرہ کے ساتھ ساتھ طالب علموں کے مزاج، اُن کی ذہنی سطح اور مناسب طریقہ تدریس کے انتخاب کی قابلیت بھی انتہائی ضروری ہے۔ استاد معلم اور مربی ہوتا ہے، جس کو ایک ہی وقت میں مختلف ذہنی سطح رکھنے والے؛ ذہین، غبی اور متوسط شاگردوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے موقع، محل اور مضمون کے مناسب طریقہ تدریس کا انتخاب ناگزیر ہو جاتا ہے۔

دراصل درست طریقہ تدریس کا انتخاب استاد کی مہارت اور قابلیت کا پہلا امتحان ہوتا ہے۔ ہر طریقہ تدریس کچھ مثبت و منفی پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے، جن سے منفی پہلوؤں کو ختم کرنا یا اُن کو کم کرنا، استاد کے لیے دوسرا اہم ہدف ہونا چاہیے۔

اس مقالہ کا بنیادی مقصد اسی دوسرے ہدف کو پورا کرنے کی ایک کوشش ہے کہ کس طرح رائج طرق تدریس کے منفی پہلوؤں کو ختم یا کم سے کم کیا جا سکتا ہے۔

اس ہدف کو پورا کرنے کے لیے اس تحقیقی مقالہ کا یہ منہج رکھا گیا کہ سیرت طیبہ ﷺ سے تدریس کے متعلق ارشادات اور منقول اسالیب کا جائزہ لینے کے بعد، مروجہ طرق تدریس کے منفی پہلوؤں کی اصلاح کے لیے ان سے راہنمائی لینے کی کوشش کی گئی ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ کی ذات بحیثیت معلم مذہب سے بالاتر ہو کر ہر منصف مزاج محقق کے لیے تسلیم شدہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ بہترین معلم اور مربی تھے، اِس لیے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اُستاد کے لیے مفید تعلیمات موجود ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو سمجھانے کے لیے کبھی تقریر کرتے، کبھی ذہنی سطح معلوم کرنے کے لیے سوال جواب کا سلسلہ شروع کرتے، کبھی مشکل سبق کو یاد کرنے کے لیے "تلقین" کرتے، کبھی خوب

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ ہری پور، پاکستان

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ ہری پور، پاکستان

ذہن نشین کرنے کے لیے عملی طور پر کوئی کام کر کے سمجھاتے اور کبھی اُن کے اعتماد بڑھانے کے لیے کوئی کام اُن کے حوالے کرتے۔

مروجہ طرق تدریس: مثبت و منفی پہلو

طرق تدریس کی تعداد، ان کی تعریف و تحدید میں معاصر محققین کے مابین اختلاف موجود ہے اور ہر محقق نے اپنی رائے کا اظہار تحقیقی مقالاجات اور کتب میں کیا ہے، مگر کسی خاص عدد یا اقسام پر اتفاق نظر نہیں آتا۔

لہٰذا رائج طرق تدریس کا بغور جائزہ لینے کے بعد درج ذیل طریقوں کا انتخاب کر کے ان کے مثبت و منفی پہلوؤں کا ذکر کیا جائے گا:

۱. پہلا طریقہ: محاضرہ(Lecture)

۲. دوسرا طریقہ: تلقین

۳. تیسرا طریقہ: عملی طریقہ تعلیم(Practical)

۴. چوتھا طریقہ: سبق سے متعلق کام شاگردوں کے حوالہ کرنا

۵. پانچواں طریقہ: حوار (سوال جواب)

(۱) پہلا طریقہ: محاضرہ

اس طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ استاد بیک وقت معلومات کا ایک ذخیرہ شاگردوں کے سامنے بیان کریں۔ درس گاہ میں استاد کی حیثیت وکیل کی طرح ہوتی ہے، وہ بولتا ہے اور شاگرد سنتے ہیں۔ کسی بات کو شاگرد تک پہنچانے کے لیے پہلا اور آسان طریقہ یہی ہے۔

مثبت پہلو:

(۱) بیک وقت بہت ساری معلومات کا بیان کرنا۔

(۲) طالب علموں کی ایک جماعت کو اکٹھے مخاطب کرنا۔

(۳) اُستاد کا اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے اسلوبِ بیان میں آزاد ہونا۔

منفی پہلو:

(۱) اس طریقہ میں طالب علم کا کردار نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

(۲) طالب علم اکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۳)بسااوقات طالب علموں کی ذہنی وعلمی تفاوت کی رعایت نہیں رہتی۔

(۴)استاداور شاگرد کے درمیان رابطہ کم ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے استاد شاگرد کی قابلیت سے واقف نہیں رہتا۔

سیرت طیبہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں مندرجہ ذیل امور کی رعایت اس طریقہ کو مزید مثبت اور مؤثر بنا سکتی ہے:

(۱)استاد اپنی آواز کے ساتھ ساتھ حرکات و سکنات کا گفتگو کی مناسبت سے استعمال کرے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ تقریر کے دوران ہاتھوں سے بھی اشارہ کیا کرتے تھے، تاکہ بات پوری طرح واضح ہو سکے۔ جیسے ابو موسیٰ اشعریؓ روایت فرماتے ہیں:

"عن النبي صلى الله عليه وسلم قال المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا، **وشبَّك بين أصابعه**"[۱]

"مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط بناتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے (سمجھانے کے لئے) ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے اشارہ کیا"۔

علامہ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں:

"كان ذلك تشبيها بالقول، ثم أوضحه بالفعل، فشبك أصابعه بعضها في بعض؛ ليتأكد بذلك المثال الذي ضربه لهم بقوله، ويزداد بيانا وظهورا."[۲]

رسول اللہ ﷺ نے قول کے بعد فعل سے مثال اس لئے دی، تاکہ بات خوب واضح ہو جائے۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ويستفاد منه أن الذي يريد المبالغة في بيان أقواله يمثلها بحركاته ليكون أوقع في نفس السامع"[۳]

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اپنی بات کی خوب وضاحت کرنے اور سامع کے دل میں اپنی بات اتارنے کے لیے مناسب حرکات کا استعمال کرنا چاہیے۔

امام مسلمؒ نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے حج کے بارے میں طویل حدیث نقل کی ہیں، اُس حدیث میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"لو أني استقبلت من أمري ما استدبرت لم أسق الهدي، وجعلتها عمرة، فمن كان منكم ليس معه هدي فليحل، وليجعلها عمرة ، فقام سراقة بن مالك بن جعشم، فقال: يا

رسول الله، ألعامنا هذا أم لأبد؟ فشبك رسول الله صلى الله عليه وسلم أصابعه واحدة في الأخرى، وقال: دخلت العمرة في الحج مرتين لا بل لأبد أبد"[۴]

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ جب سراقہ بن مالکؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا: کہ کیا صرف اِس سال کے لیے حج کا حکم ہے، یا ہمیشہ کے لیے؟ تو آپ ﷺ نے سمجھانے کے لیے انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر دو مرتبہ فرمایا: عمرہ حج میں داخل ہو گیا، بلکہ ہمیشہ کے لیے۔

(۲) دورانِ درس کچھ سوالات بھی کرنے چاہیے، اس سے شاگردوں کے متوجہ ہونے کے ساتھ ان کی ذہنی قابلیت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے پوچھا:

"إن من الشجر شجرة لا يسقط ورقها، وإنها مثل المسلم، حدثوني ما هي قال: فوقع الناس في شجر البوادي قال عبد الله: فوقع في نفسي أنها النخلة، فاستحييت، ثم قالوا: حدثنا ما هي يا رسول الله، قال: هي النخلة"۵

وہ کونسا درخت ہے جس کی مثال مسلمان جیسی ہے؟ لوگ صحرا کے درختوں کے بارے میں سوچنے لگے، عبد اللہؓ فرماتے ہیں: میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، مگر میں شرم کے مارے (کم عمری کی وجہ سے) خاموش رہا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یہ کونسا درخت ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد کبھی کبھی شاگردوں کی ذہنی قابلیت کی جانچ کے لیے امتحان لے، اور ساتھ ساتھ جواب کی طرف بھی اُن کی رہنمائی کرے۔۶

(۳) لیکچر کے دورانیہ کا خیال رکھنا انتہائی اہم ہے، تاکہ سننے والے اکتاہٹ کا شکار نہ ہوں۔

شقیقؒ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" كنا ننتظر عبد الله، إذ جاء يزيد بن معاوية، فقلنا: ألا تجلس؟ قال: لا، ولكن أدخل فأخرج إليكم صاحبكم وإلا جئت أنا فجلست، فخرج عبد الله وهو آخذ بيده، فقام علينا فقال: أما إني أخبر بمكانكم، ولكنه يمنعني من الخروج إليكم: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، كان يتخولنا بالموعظة في الأيام، كراهية السآمة علينا"۷

اِس روایت سے یہ معلوم ہوا، کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد آپؓ کا انتظار کیا کرتے تھے، لیکن آپؓ نے فرمایا: مجھے معلوم تھا، کہ تم انتظار کر رہے ہو، لیکن اِس لیے تمہارے پاس نہیں آیا، کہ رسول اللہ ہماری نگرانی کیا کرتے تھے، تاکہ ہم اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائیں۔

لہذا تعلیم اور درس کے دورانیہ کی رعایت انتہائی ضروری امر ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"فإن التعليم بالتدريج أخف مؤنة"[8]

اس لئے کے تدریجی تعلیم میں مشقت کم ہوتی ہے۔

(۴) درس گاہ میں کمزور طالب علم کی ذہنی سطح کو مد نظر رکھتے ہوئے لیکچر دینا چاہئے، تاکہ ذہنی تفاوت کی رعایت برقرار رہے۔ مشہور عرب عالم اور ماہر تعلیم و تربیت عبدالفتاح ابو غدہؒ فرماتے ہیں:

"وهذا أصلٌ عظيمٌ في باب التعليم، أن يراعي المعلم مقدار عقل الطالب وفهمه"[9]

"مقدارِ عقل اور فہم کی رعایت رکھنا تعلیم کے باب میں اصلِ عظیم ہے۔"

امام بخاریؒ نے اِس اصل کو سمجھانے کے لیے باب باندھا ہے:

"باب من خص بالعلم قوما دون قوم، كراهية أن لا يفهموا"

اور اس باب کے نیچے حضرت انس کی یہ روایت نقل کی ہیں:

"أن النبي صلى الله عليه وسلم، ومعاذ رديفه على الرحل، قال: «يا معاذ بن جبل ، قال: لبيك يا رسول الله وسعديك، قال: يا معاذ ، قال: لبيك يا رسول الله وسعديك ثلاثا، قال: ما من أحد يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، صدقا من قلبه، إلا حرمه الله على النار ، قال يا رسول الله: أفلا أخبر به الناس فيستبشروا؟ قال: إذا يتكلوا وأخبر بها معاذ عند موته تأثما"[10]

اِس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ جب حضرت معاذؓ نے آپ ﷺ سے اجازت مانگی، کہ یہ خوشخبری لوگوں کے سامنے بیان کروں، تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرمایا، اور فرمایا: پھر لوگوں اِس بشارت پر توکل کرکے عمل کرنا چھوڑ دے گے۔ گویا ہر بات ہر آدمی کے سامنے بیان کرنے کی نہیں ہوتی، اور طالبِ علم کی ذہنی سطح کی رعایت بھی برقرار رہتی ہے۔

ذہنی سطح کی رعایت رکھنے کے لیے مناسب طریقہ بھی اختیار کرنا چاہئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات سمجھانے کے لئے ایک بات کو تین تین مرتبہ دہراتے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

"إذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثا، حتى تفهم عنه"[11]

ایسا رسول اللہ ﷺ تب کرتے، جب ان کو اندیشہ ہوتا کہ ان کی بات کو سننے والے درست نہ سمجھ پائیں گے یا خوب وضاحت کرنا چاہتے۔

چنانچہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں:

"إنما كان يكرر الكلام ثلاثا،إذا خشي أن لا يفهم عنه"۱۲

بار بار دہرانے سے دوسرے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

"وأما تكريره صلى الله عليه وسلم نداء معاذ رضي الله عنه فلتأكيد الاهتمام بما يخبره وليكمل تنبه معاذ فيما يسمعه"۱۳

رسول اللہ ﷺ کا حضرت معاذؓ کو بار بار آواز دینا اِس لیے تھا، کہ جو خبر دی جارہی اُس کی اہمیت واضح ہو جائے، اور تاکہ حضرت معاذؓ خوب متوجہ ہو جائے۔

استاد کی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ وہ طالب علم کے فہم کے مطابق درس دے، مشہور مقولہ ہے:

"كِلْ لكلِّ عبدٍ بمقدارِ عقله، وزِنْ له بميزان فهمه"۱۴

آدمی کے ساتھ اس کے عقل اور فہم کے مطابق معاملہ کرنا چاہیئے۔

(۵) اس طریقے میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے استاد کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو کتاب کے تابع نہ کرے بلکہ سبق کے خلاصے کو اپنے الفاظ میں بیان کرے، اس صورت میں درس کے دورانیے کو طویل یا مختصر کرنے کا اختیار اُس کے ہاتھ میں ہوگا۔۱۵

(۲) دوسرا طریقہ: تلقین

اس طریقے کا مطلب یہ ہے کہ استاد سبق پڑے اور شاگرد ساتھ ساتھ دہرائے، تلقین بذات خود مقصود نہیں ہے، البتہ یہ سمجھنے سمجھانے کا ایک بنیادی وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

یہ طریقہ تعلیم کے میدان میں انتہائی اہم ہے، کیونکہ بسا اوقات مسلسل تقریر طالب علموں یا مبتدئین کے لیے مفید نہیں ہوتی، اور صرف تقریر پر اکتفا کرنے سے اُن کا تعلیمی نقصان ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اسلام کی سب سے پہلی وحی کا آغاز بھی طریقہ تلقین کے ذریعے ہوا تھا۔ جبریل امین پڑھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ ساتھ دہراتے تھے۔

خود رسول اللہ ﷺ کبھی کبھار صحابہ کرام کو تلقین کرتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

"أخذت التشهد من في رسول الله صلى الله عليه وسلم ولقنني كلمة كلمة"[16]

میں نے تشہد رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سیکھی ہے، آپ ﷺ مجھے ایک ایک کلمہ سکھاتے تھے۔

مثبت پہلو:

(۱) یہ آسان اور کم مشقت والا طریقہ ہے۔

(۲) اساتذہ کے درمیان یہ طریقہ کافی مشہور ہے۔

(۳) طالب علموں کے لئے یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

(۴) بعض مہم اور مشکل چیزیں اس کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی۔

منفی پہلو:

(۱) یہ طریقہ ہر موضوع یا ہر علم کے لئے مناسب نہیں ہے۔

(۲) الفاظ پر زیادہ توجہ رہتی ہے، اور معنی و مفہوم کی طرف زیادہ توجہ نہیں رہتی۔

اس طریقہ کو مزید مثبت اور مفید بنانے کے لیے استاد کو چاہئے کہ تلقین کے دوران شاگرد کو اپنے قریب بٹھائے، اُن کے کان، آنکھ اور دِل کو متوجہ کرے، تاکہ وہ اُستاد کے الفاظ واِشارات کو بغیر کسی کمی اور زیادتی کے یاد کر سکے۔

رسول اللہ ﷺ شاگرد کو تلقین کے دوران اتنا قریب بٹھاتے کہ کبھی کبھی شاگرد کے ہاتھ[17] اور کندھے[18] پر اپنا دستِ مبارک بھی رکھتے، تاکہ انتباہ اور توجہ زیادہ ہو۔ ابو العلاء مبارکپوری فرماتے ہیں:

"هو من باب الأخذ باليد عند التعليم لمزيد الاعتناء والاهتمام به"[19]

(۳) تیسرا طریقہ: عملی طریقہ تعلیم

اس طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ استاد شاگردوں کو جس چیز کی تعلیم دے رہا ہو اُسے طالب علموں کے سامنے خود عملی طور پر کر کے سمجھائے۔ اور اسالیبِ تدریس میں یہ ایک اہم طریقہ ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو سمجھانے یا حکم دینے کے لیے عملی طور پر اس کا نمونہ پیش کرتے۔ امام مسلمؒ نے ایک حدیث نقل کی ہیں:

"أن رجلا سأله عن وقت الصلاة، فقال له: صل معنا هذين - يعني اليومين"[20]

ایک آدمی نے نمازوں کے اوقات کے بارے میں پوچھا، تو فرمانے لگے: ہمارے ساتھ دو دن تک نماز ادا کرو، دو دن کے بعد فرمانے لگے: یہ تمہارے نمازوں کے اوقات ہیں۔

امام ابو داوُدؒ نے وضو کے بارے میں حدیث نقل کی ہیں:

"أن رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله كيف الطهور فدعا بماء في إناء فغسل كفيه ثلاثا، ثم غسل وجهه ثلاثا، ثم غسل ذراعيه ثلاثا، ثم مسح برأسه فأدخل إصبعيه السباحتين في أذنيه، ومسح بإبهاميه على ظاهر أذنيه، وبالسباحتين باطن أذنيه، ثم غسل رجليه ثلاثا ثلاثا ، ثم قال: هكذا الوضوء"[۲۱]

ایک آدمی نے وضوء کے بارے میں پوچھا: اے اللہ کے رسول! وضوء کس طرح ہوتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے مانی منگوایا، اور اُس کے سامنے وضوء کر کے فرمانے لگے: اِس طرح وضوء کیا کرو۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز ادا کرنے کے بعد منبر پر فرمانے لگے: میں نے یہ اِس لئے کیا، تاکہ تم میری نماز سیکھو۔[۲۲]

مثبت پہلو:

(۱) اس طریقہ سے مضمون شاگرد کے ذہن میں زیادہ پختہ ہوتا ہے۔[۲۳]

(۲) یہ سیکھنے سکھانے کا فطری طریقہ ہے۔[۲۴]

(۳) شاگرد عملی طریقہ سیکھ لیتا ہے۔

منفی پہلو:

(۱) یہ طریقہ خالص نظریاتی مضامین میں مفید نہیں ہوتا۔

(۲) استاد کو مشقت میں ڈال دیتا ہے۔

اس طریقے کے لئے اُستاد کو باہمت، مضبوط ارادے والا اور چُست ہونا چاہئے۔ اللہ تعالٰی نے رسول اللہ ﷺ کے عملی زندگی کو نمونہ بنایا ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا"[۲۵]

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

"إذ قد جاء بالأمر وهو مؤتمر. وبالنهي وهو منته. وبالوعظ وهو متعظ"[۲۶]

اور رسول اللہ ﷺ جو وحی ارشاد فرماتے پہلے خود اُسے کرتے، جس سے منع فرماتے پہلے خود منع ہو جاتے، گویا فعل قول کے موافق ہوتا۔

کسی کام کو شاگردوں سے شروع کرنے کے لئے یہ ایک مؤثر طریقہ ہے، صحابہ کی زندگی میں جس چیز نے سب سے بڑا کردار ادا کیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی تھی، اگر آپ تواضع اور عاجزی کی ترغیب دیتے لیکن خود متواضع نہ ہوتے، تو سخت مزاج عرب ۲۳ سال تک آپ کے تابع ہرگز نہ ہوتے، حالانکہ وہ اپنے کھانے، پینے، لباس اور تمام امور میں ایک متواضع شخصیت تھے۔ صرف روٹی اور پانی پر گزارہ کرنے والے اِس فاقہ مست پیغمبرؑ کے گھر میں دو دو ماہ تک چولھا نہیں جلتا تھا،[27] اپنے ہاتھوں سے اپنے کپڑوں کو سینے والے نبی ﷺ میں فخر اور تکبر کہاں سے آسکتی ہے؟[۲۸]

عملی طریقہ تدریس میں اُستاد بورڈ، ملٹی میڈیا وغیرہ کا اِستعمال بھی کرسکتا، تختہ سیاہ/بورڈ کو نصف اُستاد کہا جاتا ہے، بعض مضامین اِس کے ذریعے بخوبی سمجھ آجاتے ہیں، جیسے حساب کے قاعدے، جیومیٹری کے نمونے اور جغرافیائی شکلیں۔

رسول اللہ ﷺ بعض چیزیں شکلیں بناکر سمجھاتے تھے، چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں:

"خط النبي صلى الله عليه وسلم خطا مربعا، وخط خطا في الوسط خارجا منه، وخط خططا صغارا إلى هذا الذي في الوسط من جانبه الذي في الوسط "[۲۹]

ایک مرتبہ اِنسان کی کم عمری اور کثرتِ خواہشات کو سمجھاتے ہوئے، زمین پر ایک مربع دائرہ کھینچا، پھر اُس کے درمیان سے ایک لکیر باہر کی طرف کھینچی، اور کئی ساری چھوٹی لکیریں درمیان والی لکیر سے اِدھر اُدھر کھینچی۔

(۴) چوتھا: سبق سے متعلق کام شاگردوں کے حوالہ کرنا

اِس طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ اُستاد درس گاہ میں کوئی کام شاگردوں کے حوالے کردے، شاگرد کام پورا کرکے اُستاد کے حوالے کرتا ہے، یہ طریقہ عموماً منتہی طلباء میں مفید ہوتا ہے، اِس لیے کہ اِبتدائی طلباء از خود کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ بسا اوقات صحابہ کے ذمے کوئی کام لگادیتے، اور بعد میں اُس کی تصویب یا تخطئہ کرتے۔

یہ طریقہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے بھی رائج تھا، چنانچہ امام بخاریؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا یہ واقعہ نقل کیا ہیں:

" وكتب عمر بن عبد العزيز إلى أبي بكر بن حزم: انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه، فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء "۳۰

عمر بن عبد العزیزؒ نے ابو بکر بن حزمؒ کو لکھا: کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کر کے لکھو، اِس لیے کہ مجھے علم اور علماء کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔

ا،س واقعہ سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ آج کل تعلیمی اداروں میں طلبہ کو جو کام حوالہ کیا جاتا ہے، اِس کا نمونہ پہلے زمانے میں موجود تھا۔

مناسب یہی ہے کہ اُستاد شاگردوں کو ممکن حد تک معلومات کو از خود تلاش کرنے کی ترغیب دے، اِس لیے کہ جس نتیجہ تک آدمی اپنی محنت سے پہنچتا ہے وہ ذہن میں زیادہ راسخ ہوتا ہے۔

مثبت پہلو:

(۱) شاگرد کی ذہانت، صلاحیت اور استعداد میں اِضافہ ہوتا ہے۔

(۲) مطالعہ اور تحقیق کا ذوق بڑھ جاتا ہے۔

(۳) اِس طریقہ کے دوران علمی تحقیق کی نئی راہیں کھلتی ہے۔

منفی پہلو:

(۱) اِس طریقہ کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔

(۲) منظم اور مسلسل محنت درکار ہوتی ہے۔

(۳) بسا اوقات طالب علم اُکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

اِس طریقہ کو مفید بنانے کے لیے اُستاد کو چند چیزوں کا لحاظ رکھنی چاہیے۔

(۱) شاگردوں کو اِبتدائی معلومات اور ایسے اصول وضوابط سے آگاہ کرے، جو اُن کے لیے آگے مزید معلومات اور جستجو میں مددگار ثابت ہوں۔

(۲) یہ بات ملحوظِ نظر رکھنی چاہیے کہ از خود معلومات حاصل کرنے کے لیے ایک خداداد صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے، یہ کام ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتا، لہذا جس طالب علم میں یہ صلاحیت ہوتی ہے اُس کی نشو و نما کرنی چاہیے۔ اوراِس کے لیے اُستاد کو مردم شناس ہونا چاہیے۔

(۳) چونکہ اِس طریقہ کی لیے کافی وقت اور مسلسل محنت درکار ہوتی ہے، اِس لیے اُستاد کو چاہیے کہ طالب علموں کو اِس کے فوائد اور ثمرات سے وقت در وقت آگاہ کرتے رہیں، تاکہ وہ ہمت نہ ہارے۔

(۵) پانچواں طریقہ: حوار (سوال جواب)

اِس طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ درس گاہ میں سبق اُستاد اور شاگرد کے درمیان سوال اور جواب کی صورت میں ہو، کبھی اُستاد سوال کرے، اور کبھی شاگردوں کو سوالات کرنے کی ترغیب دے، تاکہ وہ اپنی مرضی کے سوالات کرے۔[31]

اس طریقہ سے سائل کے علاوہ دوسرے طلباء بھی مستفید ہو جاتے ہیں، چنانچہ حدیث جبرئیل میں رسول اللہ ﷺ اور جبرئیل آمین کے درمیان سوال اور جواب کے سلسلہ کے بعد رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے:

"فإنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم"[32] یہ آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھائے۔

سوال کرنا بذاتِ خود تحصیلِ علم کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "انما شفاء العي السوال"[۳۳]

مثبت پہلو:

(۱) شاگرد میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

(۲) اہم امور کی طرف نشاندہی ہو جاتی ہے۔

(۳) شاگرد اظہار مافی الضمیر کا طریقہ سیکھ لیتا ہے۔

(۴) شاگرد کے ذہنی سطح کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

منفی پہلو:

(۱) اُستاد کے لئے مشکل ترین طریقہ ہے۔

(۲) موضوعِ درس سے نکلنے کا خدشہ رہتا ہے۔

(۳) مہمل اور غیر ضروری سوالات کا سامنا ہوتا ہے۔

اِس طریقہ کے لئے اُستاد کو نبض شناس، حکیم، معتدل مزاج اور بیدار مغز ہونا چاہئے، سوال کے اصل منشاء کو سمجھنا ہی جواب کی طرف رہنمائی کے لئے پہلا قدم ہے۔

چند باتوں کا لحاظ اِس طریقہ کو مزید مفید بنا سکتا ہے:

(۱) یہ بات ملحوظِ نظر رکھنی چاہئے، کہ ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ بعض سوالوں کا جواب نہیں دیتے، جبکہ بعض سائلین کو کسی حکمت کی وجہ سے اصل جواب سے دوسرے اہم امور کی طرف متوجہ کرتے۔ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا:

"متى الساعة؟ قال: وماذا أعددت لها"۳۴

قیامت کب ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: "تم نے اُس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟"

(۲) کبھی شاگرد سے سوال کرنے میں کوئی تشنگی رہ جاتی ہے، اُستاد مذکورہ سوال کے جواب کے ساتھ اُس تشنگی کو بھی دور کرتا ہے۔ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

"يا رسول الله إنا نركب البحر، ونحمل معنا القليل من الماء، فإن توضأنا به عطشنا، أفنتوضأ بماء البحر؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هو الطهور ماؤه الحل ميتته"۳۵

اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں، اور اپنے ساتھ تھوڑا بہت پانی لے جاتے ہیں، اگر اُس سے وضو کرے، تو پینے کے لیے نہیں بچتا، تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سمندر کا پانی صاف ہے، اور اس میں مری ہوئی مچھلی حلال ہے"۔

(۳) کبھی شاگرد سوال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا، ایسی صورتِ حال میں اُستاد کو سوالات کی ابتدا کرنی چاہئے، اِس سے شاگرد سوالات سے مانوس بھی ہو جائے گے، اور اہم امور کی طرف نشاندہی بھی ہو جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ فرمانے لگے:

"يأتي الشيطان أحدكم فيقول: من خلق كذا، من خلق كذا، حتى يقول: من خلق ربك؟ فإذا بلغه فليستعذ بالله ولينته"۳۶

شیطان تمہارے پاس آکر تمہیں کہتا ہے، یہ کس نے پیدا کیا، یہ کس نے پیدا کیا؟ پھر تمہیں کہتا تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ ایسی صورت حال میں اِس خیال کو ترک کرو۔ گویا صحابہ کے دِل میں آنے والے سوال کو اپنی طرف سے دہرایا۔

(۴) کبھی اُستاد کسی طالب علم کے سوال کا جواب دوسرے طالب علم کے سپرد کردے، اور خود اُستاد صرف نگرانی کرے، تاکہ اُس کی تدریب ہو جائے۔ بسا اوقات رسول اللہ ﷺ سائل کا سوال کسی صحابی کے ذمے لگا دیتے، جواب دینے کے بعد صحیح اور غلط کی نشاندہی کرتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے خواب کی تعبیر پوچھی، آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو فرمایا: اِس کو تعبیر بیان کرو۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب تعبیر بیان کی تو کہنے لگے:

"فأخبرني يا رسول الله بأبي أنت، أصبت أم أخطأت؟"

اے اللہ کے رسول! میں نے درست جواب دیا، یا غلط؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

"أصبت بعضا وأخطأت بعضا"[37] تم نے کچھ صحیح اور کچھ غلط جواب دیا۔

(۵) اگر کوئی طالب علم صحیح جواب دے، تو اُس کی حوصلہ آفزائی کرنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ابی ابن کعبؓ سے پوچھا:

"يا أبا المنذر، أتدري أي آية من كتاب الله معك أعظم؟» قال: قلت: الله ورسوله أعلم. قال: يا أبا المنذر أتدري أي آية من كتاب الله معك أعظم؟» قال: قلت: {الله لا إله إلا هو الحي القيوم} [البقرة: ۲۵۵] . قال: فضرب في صدري، وقال: «والله ليهنك العلم أبا المنذر"[۳۸]

اے ابوالمنذر! کیا تجھے معلوم ہے، کہ قرآن مجید میں کون سی آیت بڑی ہے؟ ابی ابن کعب فرماتے ہیں: میں نے کہا، اللہ اور اُس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ دوبارہ یہی سوال پوچھنے پر میں نے جواب دیا: آیۃ الکرسی۔ تو آپ ﷺ نے میرے سینے پر تپکی دیتے ہوئے فرمایا: اے ابوالمنذر! تیرا علم تجھے مبارک ہو۔

اِس طرح کرنے سے طلبہ کے اعتماد میں اضافہ کے ساتھ دوسروں کے لیے ترغیب بھی ہوتی ہے۔

نتائج و گزارشات:

تدریس صرف ایک پیشہ نہیں، بلکہ یہ ایک مستقل فن ہے، جس کے لیے اُستاد کو حکیم، مردم شناس اور بیدار مغز ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ طالب علموں کو سمجھانے اور اُن کی تربیت کرنے کے لیے مناسب طریقہ تدریس کا اِنتخاب کر سکے۔ ہر جگہ ایک طریقہ کے اِستعمال سے خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا، اور نہ کسی بھی

طریقہ کو مروجہ انداز سے چلانے میں منفی پہلو سے بچا جا سکتا ہے۔ لہذا سنت نبوی کی روشنی میں اِن طریقوں کو مزید کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔

اِس بحث سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

۱. استاد اپنی آواز اور حرکات و سکنات کا گفتگو کی مناسبت سے درست استعمال کرے۔
۲. دورانِ درس کچھ سوالات بھی کرنے چاہیے۔
۳. لیکچر کے دورانیہ کا خیال رکھنا انتہائی اہم ہے، تاکہ سننے والے اکتاہٹ کا شکار نہ ہوں۔
۴. درس گاہ میں کمزور طالب علم کی ذہنی سطح کو مد نظر رکھتے ہوئے لیکچر دینا چاہئے تاکہ ذہنی تفاوت کی رعایت برقرار رہے۔
۵. اُستاد کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو کتاب کے تابع نہ کرے بلکہ سبق کے خلاصے کو اپنے الفاظ میں بیان کرے۔
۶. تلقین کے دوران شاگرد کو اپنے قریب بٹھائے، تاکہ وہ اُستاد کے الفاظ و اِشارات کو بغیر کسی کمی اور زیادتی کے یاد کر سکے۔
۷. کسی کام کو شاگردوں کے عمل میں لانے کے لیےسب سے مؤثر طریقہ عملی تدریس (Practical) ہے۔
۸. بعض سوالوں کے جواب میں کسی حکمت کی وجہ سے اصل جواب کے علاوہ دوسرے اہم امور کی طرف متوجہ کرنا، حکیم اُستاد کی نشانی ہے۔
۹. جن طلبہ میں از خود معلومات کے حصول کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اُن کی نشوونما کرنی چاہیے۔
۱۰. اگر شاگرد سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا، تو اُستاد کو سوالات کی ابتدا کرنی چاہئے، تاکہ شاگرد سوالات سے مانوس بھی ہو جائیں اور اہم امور کی طرف نشاندہی بھی ہو سکے۔

حواشی وحوالہ جات

۱ البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، باب نصر المظلوم، رقم: ۲۴۴۶، ج ۳ ص ۱۲۹، دار طوق النجاۃ
۲ ابن رجب، فتح الباری، ج ۳ ص ۴۲۰، مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، المدینۃ النبویۃ۔
۳ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱۰ ص ۴۵۰، دار المعرفۃ، بیروت
۴ النیسابوری، ابو الحسن مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، رقم: ۱۲۱۸، ج ۲ ص ۳۰۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۵ صحیح البخاری، باب طرح الامام المسئلۃ علی اصحابہ لیختبر ما عندھم من العلم، رقم: ۶۲، ج ۱ ص ۲۲
۶ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱ ص ۱۴۶
۷ صحیح البخاری، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ والعلم کی لاینفروا، رقم: ۶۴۱۱، ج ۸ ص ۸۷
۸ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱۱ ص ۲۲۸
۹ ابو غدۃ، عبد الفتاح، الرسول المعلم ﷺ واسالیبہ فی التعلیم، ص ۸۳، المکتبۃ الغفوریۃ العاصمیۃ، کراچی
۱۰ صحیح البخاری، رقم: ۱۲۸، ج ۱ ص ۳۷
۱۱ صحیح البخاری، باب من اعاد الحدیث ثلاثا لیفھم عنہ، رقم: ۹۵، ج ۱ ص ۳۰
۱۲ ابن بطال، ابو الحسن علی بن خلف، شرح صحیح البخاری، ج ۱ ص ۱۷۳، مکتبۃ الرشد، الریاض
۱۳ النووی، ابو زکریا یحیٰ بن شرف، المنھاج (شرح صحیح مسلم)، ج ۱ ص ۲۳۱، دار احیاء التراث، بیروت
۱۴ الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، ج ۱ ص ۵۷، دار المعرفۃ، بیروت
۱۵ صالح عبد العزیز، التربیۃ وطرق التدریس، ج ۱ ص ۲۴۵، دار المعارف، مصر
۱۶ عینی، ابو محمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری، ج ۲ ص ۱۱۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۱۷ صحیح البخاری، باب الاخذ بالیدین، رقم: ۶۲۶۵، ج ۸ ص ۵۹۔
۱۸ صحیح البخاری، باب قول النبی ﷺ کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل، رقم: ۶۴۱۶، ج ۸ ص ۸۹
۱۹ المبارکفوری، ابو العلا محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم، تحفۃ الاحوذی، ج ۷ ص ۴۳۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۲۰ النیسابوری، ابو الحسن مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، رقم: ۶۱۳، باب اوقات الصلوات الخمسۃ، ج ۱ ص ۴۲۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۱ السجستانی، ابو داؤد سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، رقم: ۱۳۵، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، ج ۱ ص ۳۳، المکتبۃ العصریۃ، بیروت
۲۲ صحیح البخاری، باب الصلوۃ فی السطوح والمنبر والخشب، رقم: ۳۷۷، ج ۱ ص ۸۵

۲۳ ابن حجر، فتح الباری، ج۱ص۲۶۱
۲۴ الرسول المعلم ﷺ واسالیبہ فی التعلیم، ص۶۵
۲۵ سورۃ الاحزاب:۲۱
۲۶ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الاعتصام، ج۱ص ۸۵۴، دار ابن عفان، السعودیۃ
۲۷ حنبل، ابو عبداللہ احمد بن محمد، مسند احمد، رقم: ۲۴۷۶۸، ج۴۱ص ۲۸۵، مؤسسۃ الرسالۃ
۲۸ السباعی، مصطفیٰ بن حسنی، محمد المثل الاعلیٰ، ص ۱۱۳
۲۹ صحیح البخاری، باب فی الامل وطولہ، رقم: ۶۴۱۷، ج۸ص۸۹
۳۰ صحیح البخاری، ج۱ص۳۱
۳۱ ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، رقم: ۱۰۶، ج۱ص۳۰۹، موسسۃ الرسالۃ، بیروت
۳۲ صحیح مسلم، باب معرفۃ الایمان والاسلام والقدر وعلامۃ الساعۃ، رقم: ۱، ج۱ص۳۶
۳۳ سنن ابی داؤد، باب فی المجروح یتیمم، رقم: ۳۳۶، ج۱ص ۹۳
۳۴ صحیح البخاری، باب مناقب عمر بن الخطاب، رقم: ۳۶۸۸، ج۵ص ۱۲
۳۵ سنن ابی داؤد، باب الوضوء بماء البحر، رقم: ۸۳، ج۱ص۲۱
۳۶ صحیح البخاری، باب صفۃ ابلیس وجنودہ، رقم: ۳۲۷۶، ج۴ص ۱۲۱
۳۷ صحیح مسلم، باب فی تأویل الرؤیا، رقم: ۲۲۶۹، ج۴ص ۱۷۷۷
۳۸ صحیح مسلم، باب فضل سورۃ الکھف وآیۃ الکرسی، رقم: ۸۱۰، ج۱ص ۵۵۶